فیاض نقی
اسکالر،پی ایچ۔ ڈی اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اُردو میں تنقید کی روایت اور شبلی

Fiaz Naqi
PhD Scholar, Department of Urdu, AIOU, Islamabad.

The Tradition of Criticism in Urdu and Shibli

The initial traces of criticism in Urdu literature are found in reminiscences, preambles, and letters of Ghalib. However, the tangible tradition of criticism was laid down by Shibli and Hali, who started off critical discourse in Urdu through their writings and gave new impetus to this tradition. Before them, this type of discourses were initiated by Sir Syed Ahmed through his essays in his famous journal "Tazeeb-Ul-Akhlaq"; and Mohammad Hussain Azad in his lecture delivered in first meeting of Anjuman-e-Punjab besides his volume "Aab-e-Hayat." Molana Altaf Hussain Hali is reckoned as the first established critic of Urdu and Maqadma Sher-o-Shairi is the first authentic book of criticism in Urdu literature by him. It is an established fact that Hali had benefited immensely from Sir Syed to foster his work on criticism. In Maqadma, he criticized the bases and style of Urdu and Persian poetry and emphasized to follow the conventions of western thoughts and ideas in this regard. This is the point where criticism in Urdu branched in two schools of thoughts. Shibli lambasted the occidental onslaught of ideas and thoughts and drew the attention of scholars to the values and vision of oriental perspective.

Key words: *Challenged, Influences, Criticism, Shibli, Pioneers, Tradition, Resorting, Conventions, Occidental, Ideas.*

اُردو تنقید کے اوّلین نقوش تذکروں، دیباچوں، خطوط غالب اور دوسری متفرق تحریروں میں پائے جاتے ہیں، لیکن اُردو میں دوسری بہت سی نثری اصناف کی طرح باقاعدہ تنقید بھی تحریک علی گڑھ اور سرسید احمد خان سے شروع ہوئی۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ:

سر سید احمد خان خود نقاد نہ تھے، مگر اُنھوں نے قومی اصلاح کے جس مقصد کو اپنے پیش نظر رکھ کر ہمہ پہلو جدوجہد کا آغاز کیا اُس کا تقاضا تھا کہ وہ شعر و ادب کی اصلاح کے لیے اقدامات کریں۔ چناں چہ اُنھوں نے تہذیب الاخلاق کے مضامین کے ذریعے شعر و ادب پر تنقید کا فریضہ سر انجام دیا۔ اُنھوں نے تہذیب الاخلاق کے مضامین میں پرانی شاعری اور ادب و انشا پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ادب بالخصوص شاعری محض ہم وزن الفاظ جمع کرنے کا نام نہیں ہے۔ ہماری پرانی شاعری میں عاشقانہ مضامین کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جو تہذیب و اخلاق اور نیک جذبات کو ظاہر نہیں کرتے۔

سر سید نے اچھی شاعری کے لیے جن خوبیوں کو بیان کیا اُن میں، نیچرل طریق اظہار، سچے اور نیک جذبات کا ابلاغ وغیرہ اہم ہیں۔ اُن کے خیال میں شاعری کو بد جذبات کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے، محض تک بندی اور مبالغہ آمیز باتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ اُنھوں نے اُردو نثر میں صفائی اور سادگی کے ساتھ اخلاق سنوارنے والے مضامین پر زور دیا۔ المامون کے دیباچہ میں تاریخ نگاری کے سلسلے میں تخیل کے بجائے جزئیات نگاری اور سچائی پر زور دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "اُردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کے لیے زبان کا طرزِ بیان جداگانہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخانہ طرز گوئی کو کیسی ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔" (۱)

اسی طرح سر سید احمد خان نے الفاروق، مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم اور دوسری کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تنقیدی اشارے دیے ہیں، ادب میں مقصدیت، اسلوب میں سادگی اور سلاست پر زور دیا ہے اور جدید مغربی خیالات اور اسلوب کی طرف توجہ دینے کا میلان پیدا کیا۔ ضیاء الحسن لکھتے ہیں: ”سر سید احمد خان وہ پہلے ادیب ہیں، جنھوں نے ادب کے مسائل پر سنجیدگی سے سوچا، اپنے زمانے کے ادب کی خامیوں اور خرابیوں کی طرف توجہ دلائی اور ان سے بچنے کی راہیں ہموار کیں۔" (۲)

ڈاکٹر سید عبد اللہ اُردو تنقید پر سر سید کے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”سر سید نے اپنی تصانیف کے ذریعے اپنے زمانے کے مصنفوں اور ادیبوں کو بہت سے خیالات دیے۔ ان کے ان فکری اور تنقیدی خیالات سے ان کا دور خاصا متاثر ہوا۔" (۳) یہ حقیقت ہے کہ سر سید کے تنقیدی خیالات کے اثرات دوسرے بہت سے ادیبوں اور نقادوں پر پڑے مگر ان کے یہ تنقیدی نظریات زیادہ مربوط انداز میں تنقید حالی کا حصہ بنے اور حالی کے ذریعے ہی اردو تنقید میں پروان چڑھے۔

۲

اُردو تنقید کے جدید دور کا آغاز حالی و شبلی سے ہوتا ہے، مگر محمد حسین آزاد بھی محض تذکرہ نگار ہی نہ تھے، بل کہ اُنھوں نے "انجمن پنجاب" کے مشاعرے میں ۱۸۶۷ء کو جو پہلا لیکچر دیا اس نے اُردو میں تنقیدی مباحث کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ محمد حسین آزاد کے تنقیدی خیالات اُن کی تصانیف آبِ حیات، سخندانِ فارس اور نگارستانِ فارس میں بھی موجود ہیں۔ ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> "تذکروں کی غیر واضح تنقید اور الطاف حسین حالی کے مقدمہ شعر و شاعری سے شروع ہونے والی ادبی تنقید کے درمیان محمد حسین آزاد کے تنقیدی خیالات، پرانے تنقیدی رویے میں تبدیلی کا سراغ دیتے ہیں۔ اس لیے آزاد کی کتابوں میں پائے جانے والے تنقیدی خیالات کو عبوری دور کی تنقید کا نام دینا زیادہ مناسب ہے۔"(۴)

مولانا محمد حسین آزاد نے اُردو میں کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں جدید طرز کی شاعری کا آغاز کیا۔ انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام جدید طرز کے مشاعروں میں مصرع طرح کے بجائے موضوعات پر نظمیں پیش کی جاتی تھیں۔ یوں سرسید احمد خان کے اثرات اور مغربی ادبیات سے اُن کے استفادے نے اُن کے تنقیدی خیالات میں جدت ضرور پیدا کی، مگر آزاد بنیادی طور پر انشا پرداز تھے، اس لیے ان کا اسلوب تنقید کے لیے زیادہ موزوں نہ تھا۔ اس لیے کلیم الدین احمد نے لکھا کہ آبِ حیات تنقیدی کارنامہ نہیں، بل کہ ایک تذکرہ ہے، جو اگرچہ پرانے تذکروں میں کسی قدر تغیر اور اضافہ ہے اور یہی ان کا نیا پن ہے، ورنہ آبِ حیات میں بھی وہی پرانے تذکروں کی طرح لفاظی ہے، رنگین اور چمکتے لفظوں کا بڑھتا ہوا سیلاب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "آزاد کی عبارت آرائی دو خامیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک خامی تو یہ کہ نقاد اپنے موضوع کو پس پشت ڈال کر الفاظ کے حُسن اور عبارت کی رنگینی میں جا پھنستا ہے اور دوسری خامی یہ کہ اس قسم کے اسلوب میں خیالات اور ان کے مختلف پہلوؤں کو صاف محکم اور معین طور پر بیان کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آبِ حیات میں یہ دونوں خامیاں موجود ہیں۔"(۵)

اپنی ان خامیوں اور تسامحات کے باوجود اُردو تنقید کے ارتقائی سفر میں آزاد کی تصانیف کی اہمیت مسلم ہے۔ آزاد کی تصانیف اور بالخصوص آبِ حیات نے اُردو ادب کی تاریخ کے لیے ہی اہم لوازمہ مہیا نہیں کیا، بل کہ اُردو میں تنقیدی شعور کا بھی اضافہ کیا ہے۔ آزاد نے اُردو میں سب سے پہلے تنقید کے نظریاتی مباحث کا آغاز کیا۔ اُنھوں نے دوسرے تذکروں کی طرح انتخاب کلام پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آبِ حیات میں شاعروں کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور کے شعرا کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر شاداب عالم لکھتے ہیں:

"محمد حسین آزاد کی ساری تصانیف کو سامنے رکھ کر اگر تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو ان کے لیکچر "نظم اور کلامِ موزوں کے باب میں خیالات" کو تنقیدی اعتبار سے زمانی تقدم حاصل ہے، جو ۱۸۶۷ء میں انجمن پنجاب کے مشاعرے میں دیا گیا تھا۔ یہ لیکچر ایک معنی میں نظم جدید کی تحریک کا منشور اور پیش خیمہ بھی ہے۔"(۶)

اپنے اس لیکچر میں آزاد نے اُردو زبان میں سب سے پہلے شعر کے معنی و مفہوم معین کرنے کی کوشش کی ہے۔ عرب ناقدین کے ہاں شعر کی تعریف، کلام موزوں و مقفیٰ سے کرنے کا انداز عام رہا ہے، بعض نے اس میں با معنی ہونے کا اضافہ بھی کیا اور بعض نے ارادے کی شرط کو بھی اہم قرار دیا ہے۔ آزاد شعر کے مؤثر ہونے پر زور دیتے ہیں۔ آزاد اپنے لیکچر میں شعر کی تعریف کے بعد شعر کے بعض ایسے مباحث کا ذکر بھی کرتے ہیں، جو مشرقی شعریات میں اہم سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی تنقید کی روایت سے آگاہ تھے۔ اُن کے نزدیک شاعری کسبی نہیں، بل کہ وہبی ہے۔ اُن کے خیال میں شاعر اپنی اس وہبی صلاحیت کا استعمال کر کے لفظ و معنی اور زبان و بیان پر مالکانہ تصرف کا حق دار ہو جاتا ہے۔ تخیل عربی تنقید میں اہم موضوع رہا ہے۔ آزاد نے اُردو میں تخیل کی بحث بھی پہلی بار چھیڑی جسے تفصیل سے بعد ازاں حالی اور شبلی نے بیان کیا۔ آزاد نے اسلوب اور زبان و بیاں کے بارے میں بھی کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شعرا کو زبان و بیان پر مکمل مہارت ہونی چاہیے۔ وہ شاعری کے الفاظ میں معنی کی تاثیر کے قائل ہیں۔ وہ شاعری کا رشتہ اخلاقیات سے بھی جوڑتے ہیں۔ آزاد کے تنقیدی شعور اور ان کی تصانیف کے تنقیدی مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُردو تنقید کی روایت میں اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ اُنھوں نے اُردو تنقید کے لیے وہ ماحول پیدا کیا، جس کے نتیجے میں مقدمہ شعر و شاعری جیسی تصنیف معرض وجود میں آئی۔

۳

الطاف حسین حالی کی مقدمہ شعر و شاعری کو اُردو میں جدید تنقید کی اوّلین کتاب اور انھیں اُردو کا پہلا با قاعدہ نقادِ ادب تسلیم کیا جاتا ہے۔ حالی سے پہلے اُردو میں ادبی تنقید کے اصول و نظریات منتشر اور رسمی آرا پر مبنی تھے۔ حالی نے انھیں مربوط اور منظم انداز میں پیش کیا۔ محمد حسین آزاد قدیم تذکرہ نویسوں اور جدید نقادوں کے درمیان ایک ایسی کڑی ہیں، جو ایک طرف پرانے تذکرہ نویسوں سے ملے ہیں تو دوسری طرف جدید تنقید کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ آزاد نے اپنے منتشر تنقیدی تصورات کے ذریعے نئی تنقید کی راہ ہموار کی تو اپنے انداز اور اسلوب کے باعث تذکروں سے بھی وابستہ ہیں۔ حالی نے آزاد کے نئے تصورات شعری کو مربوط کر کے اپنے تفصیلی اظہار خیال کے ذریعے ایک منظم اور پختہ شکل میں پیش کیا۔

حالی کی تنقید کے حوالے سے اُردو کے جملہ نقاد اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ اُنھوں نے سر سید احمد خان کے تصورات کے زیرِ اثر اُردو تنقید کا رُخ مغربی روایت تنقید کی طرف موڑنے میں اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ اُنھوں نے مقدمہ شعر و شاعری کے علاوہ اپنی سوانحی کتب حیاتِ سعدی، یاد گار غالب اور حیاتِ جاوید کے ذریعے اپنے تنقیدی خیالات سے اُردو اور فارسی شاعری اور ادب کے انداز کو ناپسند کرتے ہوئے مغربی خیالات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں: "حالی نے سب سے پہلے جزئیات سے قطع نظر کر کے بنیادی اصول پر غور و فکر کیا۔ شعر و شاعری کی ماہیت پر کچھ روشنی ڈالی اور مغربی خیالات سے استفادہ کیا اور اس استفادے کی اہمیت کو سمجھا۔" (۷)

ڈاکٹر سید عبد اللہ حالی کی نیچرل شاعری کو سر سید احمد خان کے مغربی تصورات، سائنس پرستی، نیچر اور نیچرل کی دین قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حالی تنقید میں سر سید کے مرکزی خیالات کے زیرِ اثر ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ جابجا زبان اُردو کو ناقص اور اعلیٰ شاعری کے نقطہ نظر سے ناتمام زبان کہنے لگتے ہیں۔ مشرقی علوم اور مشرقی ادبیات کے بارے میں سر سید کا یہ عام لہجہ ہے۔ تعجب ہے کہ حالی نے شیفتہ اور غالب کی ادبی فضا دیکھی تھی، پھر بھی وہ اس تعصب میں بہہ جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری تقریباً انھی خیالات کی زیادہ منظم اور مربوط تفسیر ہے۔ طرزِ ادا میں سادگی کی اہمیت، بے تکلفی اور مدعا نگاری کی ضرورت، شاعری کا اجتماع کے لیے مفید ہونا اور اس کی افادی و تعمیری صلاحیت یہ سب امور سر سید کے ارشادات کی صدائے بازگشت ہیں۔" (۸)

ڈاکٹر جمیل جالبی، حالی کے مزاج کا دھیما پن، سادگی اور رواداری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسی مزاج کے باعث وہ اُردو تنقید میں اہم مقام حاصل کر سکے ہیں۔ چوں کہ تنقید کے لیے اسی مزاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو تنقید میں حالی کی عظمت کے بیان کے باوجود جالبی بھی انھیں سر سید کا سہارا لینے والا قرار دیتے ہیں۔

"حالی کی معقولیت انھیں جدت سے محروم رکھتی ہے۔ وہ سر سید کا سہارا کبھی نہیں چھوڑتے۔ اسی لیے بہت سے لوگوں کی نظر میں وہ جدت، اُپج اور اختراعیت (اوریجنیلٹی) سے عاری ہیں۔ انھیں حالی کا طرز ادا سپاٹ اور پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ تخلیق کے لیے یہ رجحان کمزوری کا باعث ہو سکتا ہے، مگر تنقید کے لیے یہی وصف ہے۔ عقل کی

کار فرمائی کے لیے ایک مستقل مرکز و محور بھی ضروری ہے۔ حالی کو یہ مرکز و محور سرسید تحریک میں ملا، جس سے وہ ساری عمر وابستہ رہے۔" (۹)

ڈاکٹر عبد القیوم حالی کی اُردو نثر نگاری میں تفصیل سے مقدمہ شعر و شاعری کے پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان خیالات کو وہ سرسید کے زیر اثر دس سال پیش تر ذہن میں رکھتے تھے، جس کا اظہار مختلف مواقع اور خطوط میں اُنھوں نے کیا تھا۔ سرسید احمد خان کے خیالات اور نذیر احمد کے لیکچر سے حالی کے خیالات اُردو اور فارسی لٹریچر کے خلاف ہو چکے تھے چناچہ اس کا اظہار مقدمہ کی صورت میں ہوا۔ اگرچہ انگریزی شعر و ادب کے نظریات اور رجحانات کے متعلق کوئی مستقل تصنیف حالی کی نظر سے نہیں گزری، لیکن وقت کے اخبارات مثلاً علی گڑھ اخبار، انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کی تحریروں کا دخل ہے، جن سے حالی کے خیالات بنے اور مقدمے کی صورت اظہار پذیر ہوئے۔ ڈاکٹر عبد القیوم لکھتے ہیں:

"گارسان دتاسی نے اپنے ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۳ء کے خطبات میں جستہ جستہ اخبارات سے عبارتیں نقل کی ہیں اور بعض نامہ نگاروں اور ایڈیٹروں کی رائے لکھی ہے، جس میں مشرقی شاعری کے نقائص بیان کیے گئے ہیں اور تقلید کو ترک کرنے کو مشورہ دیا گیا ہے۔ نیز انگریزی ادب کی خوبیاں بتائی گئی ہیں۔ اس طرح کے مشورے ذہنی رجحان بدلنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔" (۱۰)

اُردو کے دوسرے نقادوں احسن فاروقی اور وحید قریشی نے بھی الطاف حسین حالی کے اس رویے کی نشان دہی کی ہے۔ ابوالکلام قاسمی کی یہ بات درست ہے کہ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں جس تنقیدی روایت سے استفادہ کیا ہے وہ عربی کی تنقیدی روایت ہے، مگر اس کے نتائج وہ مشرقی شعر کی تنقیدی روایت کے حق میں نہیں منضبط کرتے، بل کہ جو تصورات و نظریات پروان چڑھاتے ہیں وہ مغرب کی تنقیدی روایت کے حق اور اس کے موافق اُردو کی تنقیدی روایت کا رُخ موڑتے ہیں۔ اس طرح وہ دراصل مشرقی روایت شعری کی خدمت نہیں، بل کہ اُسے ناپسندیدہ اور نامنظور کرتے ہوئے ترک کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے، جہاں سے حالی اور شبلی کی تنقید دو الگ دبستانوں کی صورت میں منقسم ہوتی ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی کے تنقیدی نظریات کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حالی اُردو کے اہم نقاد ہیں، جنھوں نے اُردو تنقید کی نظریاتی راہیں متعین کیں اور پھر اپنی تصانیف کے ذریعے اس کی مثال پیش کی۔ اُنھوں نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اور وقت کی ضرورت کے تحت ادب کا منصب متعین کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایک مقصدی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ لہٰذا اس کے ماتحت اُنھوں نے ادبیات کے لیے مقصدیت اور معاشرے سے

اس کے تعلق کو استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادب کے افادی پہلو پر اصرار اور اُردو کی تنقید کو مغرب کی تنقیدی روایت کے ساتھ جوڑنے کے نتیجے میں جو خرابیاں در آئیں اُن میں سب سے اہم یہ تھی کہ قوم دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی مغرب کی پیروی اور ذہنی مرعوبیت کا شکار ہوئی۔ ادب کی مشرقی روایت اور ادبیات سے بیزاری کی فضا پروان چڑھی۔ شاعری میں غزل، جو ہند اسلامی تہذیب کی علمبردار ایک ایسی صنف تھی، جو ایک پوری روایت کی تاریخ اور تہذیب اپنے اندر سموئے ہوئے تھی، بُری طرح متاثر ہوئی۔ اُنھوں نے شاعری میں قدیم بلاغتی نظام کو بھی اپنی آرا سے دھندلایا اور اس کے حوالے سے غیر یقینی کی کیفیت پیدا کی۔ حالی کے مقدمہ کے بعد اُردو شاعری پر موضوعاتی نظموں اور مغرب کی شعری اور نثری اصناف کو اُردو میں سمونے کا عمل تیز اور شدید ہوا۔ ادب کا مذاق بدل گیا اور ادب میں مغرب کی تابعداری فرض جان کر شروع ہوئی۔ اس حوالے سے تنقیدِ حالی کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقیوم لکھتے ہیں:

"ادبی دُنیا میں حالی کے اثر سے...... کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں، کچھ سانچے بدل گئے اور بعض وقت اور ہنگامی واقعات نے مستقل شکل اختیار کر لی۔ سب سے بڑی سنگین غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے مدت تک اپنے پرانے جواہر ریزوں کو خوف ناک سمجھا۔ وہ جدت کی رو میں بلا سوچے سمجھے بہنے لگے۔" (۱۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی اُردو تنقید میں مولانا حالیؔ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یورپ کے اوّل درجے کے نقادوں کی محفل میں ہم اگر کسی نقاد کو بھیج سکتے ہیں تو وہ حالی ہیں۔ وہ ہمارے ایک ایسے نقاد ہیں، جو صحیح معنوں میں تخلیقی تنقید کرتے ہیں۔ وہ ایسے شاعر بھی ہیں، جس نے اُردو شاعری کا رُخ موڑا اور ساتھ ہی اس نئے رُخ کو اپنے تنقیدی عمل سے سمجھایا بھی۔ ڈارائیڈن، ورڈسورتھ اور کالرج کی طرح اُن کی تنقید بھی ان کے تخلیقی عمل کا نقشہ ہے اور یہ نقشہ مربوط طریقے سے بنایا گیا ہے۔" (۱۲)

یوں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حالی اُردو تنقید کے پہلے، اہم اور رہنما نقاد ہیں، جنھوں نے اُردو شاعری کا بھرپور جائزہ لے کر اس میں نظریہ سازی کی۔ عملی تنقید کے ذریعے اُردو ادبیات کو ایک خاص رُخ دینے کی کوشش کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ اُن کی کامیابی میں دو وجوہات نے اہم کردار ادا کیا۔ اولاً اُردو ادبیات کے فکر و خیال اور اسالیب پر طاری جمود جو حرکت پیدا کرنے کا متقاضی تھا اور دوم سیاسی، معاشی اور تہذیبی تبدیلیاں جو تقاضا کر رہی تھیں کہ ادبیات مشرق کو سماجی ضرورتوں کے مطابق استوار کیا جائے۔ چناں چہ تبدیلی کی رو تیزی سے چل پڑی۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس صورتِ حال کا ادراک کیا اور جدیدیت کی رو میں بہنے کے بجائے بند باندھنے کا عمل کیا۔ اُنھوں نے اپنی تحریروں اور تصانیف کے ذریعے اُردو تنقید کی اصل مشرقی روایت اور ادبی قدروں پہ پڑی گرد ہٹانے اور اسے اُجالنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے بتایا کہ اُردو تنقید کا فطری ارتقا مشرقی ادبیات کے سلسلے سے وابستہ رہ کر اُسے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اجتہادی بصیرت سے آگے بڑھانے میں ہے۔ اُنھوں نے نظریاتی اور عملی تنقید پر مشتمل اپنی تصانیف شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر دنیا ادب کے سامنے پیش کیں۔ نظریاتی مباحث کے لیے اُنھوں نے فارسی شعریات کا مکمل مطالعہ پیش کرنے کے بعد تنقیدی مباحث اور نظریات کے لیے شعر العجم جلد چہارم، پنجم کا انتخاب کیا تاکہ اُردو، جو فارسی سے وجود پذیر ہوئی ہے، کی بنیادوں اور اساسات سے اُردو والوں کو آگاہ کیا جا سکے اور اپنی روایت سے جوڑا جا سکے، جو وقت کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف عملی تنقید کے لیے موازنہ انیس و دبیر کے ذریعے اپنے وطن کے شعرا کو منتخب کیا اور تقابلی اور عملی تنقید کا اُردو میں اوّلین نمونہ پیش کیا۔ ڈاکٹر عبد المغنی لکھتے ہیں:

> "شبلی کی تنقیدی فکر اور اُن کے تنقیدی عمل نے مل کر اُردو تنقید کو منزل کا راستہ دکھایا۔ ان کے عالمانہ نقطہ نظر اور تجزیاتی انداز بیان نے ان اہم بنیادی موضوعات کی گرہیں کھول کر رکھ دی ہیں، جن میں اُردو تنقید کے بعض حلقے آج تک اُلجھے ہوئے ہیں اور اپنے خام خیال میں تجدید ادب کی باتیں کر رہے ہیں۔" (۱۳)

اُردو تنقید کی اصل بنیادیں مشرقی روایت ادب و تنقید میں ہیں۔ جب اُس زمانے میں تہذیبی و فکری سطح پر مغربی اثرات چھا رہے تھے، حالی انھی کے مطابق تنقید کی عمارت کھڑی کر رہے تھے تو شبلی نے مشرقی تنقید کو وقت کے تقاضوں کے مطابق استوار کرنے کی کاوش کی۔ حالی اور شبلی تنقید کے اس فرق کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "حالی اور شبلی کے انداز نظر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حالی انگریزی معیار ادب کو اپنا کر اس میں مشرقی طرز تنقید کو ملاتے ہیں۔ ان کے برخلاف شبلی مشرقی معیار تنقید کو بنیاد بنا کر اس میں مغربی فکر کا امتزاج کرتے ہیں۔ اس طرح امتزاج تو دونوں کرتے ہیں، لیکن دونوں کے امتزاج کی نوعیت و رنگ میں اسی لیے فرق ہے کہ دونوں کے طرز تنقید کی بنیادیں الگ الگ ہیں۔" (۱۴)

یہی وجہ ہے کہ حالی کے خیالات کے اثرات اور خوبیاں وخامیاں اس وقت واضح ہونی شروع ہوتی ہیں، جب شبلی کی تنقید سامنے آتی ہے۔ شبلی شاعری کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے اس کے جمالیاتی پہلو کو واضح کر کے اس کی حیثیت متعین کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شاعری کے سماجی پہلو سے غافل رہتے ہیں۔ ہر قسم کی جمالیات اپنے دور اور اپنے معاشرے سے وابستہ ہوتی ہیں اور کسی غیر عمرانی جمالیات کا تصور ہی ممکن نہیں۔ شبلی بنیادی طور پر تاریخ دان تھے، اس لیے ان کا عمرانی شعور بہت واضح تھا۔ کیوں کہ ایک مؤرخ معاشرے سے اپنا تعلق استوار کیے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا۔ بہر کیف شبلی نے حالی کے بر خلاف اخلاقی سے زیادہ ادبی نقطہ نظر سامنے رکھا اور یوں مذاق شعر کو مجروح ہونے سے بچایا۔ اُنھوں نے شعر وادب میں وقت کے مطابق تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا، لیکن اپنی روایات اور ماضی سے رشتہ منقطع نہیں ہونے دیا۔ اُنھوں نے اپنے عمدہ ادبی مذاق سے مشرق و مغرب کے امتزاج کی جو کوشش کی اُس میں مشرق کو غالب رکھا، مرعوبیت سے بچے رہے اور اپنی مشرقی روایت شعری اور تنقید کو سامنے رکھا۔ یہی تنقید میں شبلی کا اختصاص ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ شبلی اپنے وقت کے جید عالم تھے اور جدید محقق کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ بلند تھا۔ علم و تحقیق ان کی تنقید کا بنیادی مزاج ہے، جس میں وہ تاریخی رنگ کو اُجاگر کر کے اپنی ادبی تنقید کو ایک نئی صورت دے دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اس لحاظ سے وہ ایزرا پاؤنڈ کی اصطلاح میں اُردو کے پہلے محقق نقاد (Scholar Critic) ہیں...... شبلی کی تنقید میں "کلامی بحث" بھی واضح ہے، جس کی مدد سے وہ بات کو استدلال کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے ساتھ ہو جاتا ہے...... شبلی کے ہاں "اصول تنقید" تفصیل کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور "عملی تنقید" میں بھی مذاق سخن اس طرح نمایاں ہوتا ہے کہ شعر وادب کا ایسا ستھرا ذوق کہیں اور مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔"(۱۵)

ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی نے اپنی کتاب مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت میں حالی اور شبلی دونوں کو مشرقی شعریات اور مشرقی تنقید کے اہم نمائندہ نقاد قرار دیا ہے۔ شبلی کے باب میں تو یہ درست وبجا، مگر حالی نے بلاشبہ مشرقی روایت تنقید سے استفادہ کیا، لیکن اپنی تنقید (مقدمہ) میں اُنھوں نے مغربی تنقید کے لیے راستہ ہموار کیا اور اُن کا بنیادی مقصد یہی تھا۔ اپنے اس مقصد کے لیے اُنھوں نے مشرقی شعریات سے مثالیں دیں، جو اُن کا مشرقی ادبیات کے غائر مطالعے کا ثبوت ہے، مگر اُنھوں نے بنیادی طور پر تحریک علی گڑھ اور سر سید کے خیالات اور اُن کے تنقیدی تصورات کے زیرِ اثر مشرقی روایت ادب سے ہٹا کر اُردو تنقید کا رُخ مغرب کی سمت کیا ہے۔ ابوالکلام قاسمی نے لکھا کہ

دونوں ایک ہی ادبی روایت کے دانش ور دکھائی دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود ان دونوں نے اپنے مکاتبِ نقد الگ الگ بنائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"شبلی اور حالی کو ایک ادبی روایت کے دانش ور اس لیے کہا گیا کہ دونوں کی ذہنی نشو و نما اور علمی پس منظر میں عربی اور فارسی کی متداول کتب کا رول ہے، مگر علمی اور فکری سرچشمے کے ایک ہونے کے باوجود دونوں نے جو ادبی تنقید لکھی، اس میں افتادِ طبع اور ان کے مخصوص مزاج کے اعتبار سے فرق پیدا ہوا۔" (۱۶)

یہ بات درست ہے کہ حالی اور شبلی دونوں نے عربی اور فارسی روایت ادب سے استفادہ کیا ہے۔ اُن کے علمی و فکری سرچشمے ایک ہیں مگر ضروری نہیں کہ ایک ہی مکتب سے حصول علم کے بعد سب لوگ ایک ہی فکر اور سوچ کے داعی ہوں۔ اسی طرح شبلی اور حالی کے سرچشمے ایک ہونے کے باوجود راستے جدا جدا ہیں۔ وہ دونوں اپنے عہد میں موجود فکری سلاسل میں بھی الگ الگ راستوں کے راہی تھے۔ یہ وہ بنیادی فرق ہے، جس نے حالی اور شبلی کے مکاتیب نقد الگ الگ بنائے ہیں۔ یہ محض افتادِ طبع اور مزاج کے فرق کی بات نہیں۔ مختلف المزاج لوگ ایک فکر کے داعی ہو سکتے ہیں۔ حالی فکر سرسید کے ایک اہم داعی اور شارح تھے۔ اُنھوں نے اپنی ادبیات اور نقد کی بنیاد اسی فکر پر استوار کی اور اُردو تنقید کو اپنی تنقید سے اس راستے پر لگایا۔ ان کے برعکس شبلی فکر سرسید سے بھی اختلاف رکھتے تھے، جو مغرب کی مرعوبیت اور اس کی تقلید پر استوار تھی اور اُن کے اصول نقد کے بھی۔ یہ ممکن ہے کہ اصول نقد میں سے بعض پر حالی اور شبلی کا نقطہ نظر ایک ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اُردو تنقید میں الگ الگ دبستانوں کے بانی ہیں اور ان میں فکری اور نظریاتی طور پر واضح فرق ہے، صرف افتادِ طبع کا نہیں جس کا اعتراف خود ابوالکلام قاسمی نے کیا ہے:

شبلی نعمانی ادبی تنقید کی بنیادی باتوں پر جو بحث کرتے ہیں، اس میں مشرقی معیار نقد کی جھلک زیادہ تر جگہوں پر صاف نظر آتی ہے۔ وہ حالی کی طرح مغرب سے مستعار لیے ہوئے تصورات کا اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لیے استعمال نہیں کرتے۔" (۱۷)

ڈاکٹر جالبی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"شبلی کی تنقید کا رُخ بنیادی طور مشرقی انداز نظر ہے، جو اُن کے علمی، دینی، فکری اور ادبی کاموں کا مزاج ہے، ان کی ادبی تنقید میں بھی موجود ہے۔" (۱۸)

شبلی کی اُردو تنقید کا حالی سے موازنہ کرتے ہوئے دونوں کی فکر میں مغربی اور مشرقی فکر کی ترجیحات اور اثرات کے حوالے سے عبدالمغنی رقم طراز ہیں:

"شبلی مغربی افکار پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ ارسطو سے اختلاف کرتے ہوئے محاکات پر تخیل کو فوقیت دیتے ہیں۔ اس سے شبلی کی مجتہدانہ بصیرت کا پتا چلتا ہے۔ یہ بصیرت اس مشرقی انداز فکر کی دین ہے، جو شبلی کو اپنے دور میں، جو مغرب کے عام ذہنی غلبے کا تھا، ایک آزاد نظر اور دور بین نگاہ عطا کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ شبلی کے طرز تنقید کی اہمیت زیادہ واضح ہوتی جارہی ہے۔" (۱۹)

اسی طرح اگر غزل کے بارے میں حالی کے تصورات ذہن میں رکھے جائیں تو صورت حال مزید واضح ہوتی ہے کہ کس طرح حالی نے مغربی اثرات کے تحت مشرقی ادب کی ایک نمائندہ صنف کو بے توقیر کیا۔ حالی نے غزل کو نہایت ابتر، بے سود اور دور از کار صنف قرار دیا اور غزل کے خاتمے تک کا اعلان کر دیا کہ زمانہ بہ آواز بلند کہہ رہا ہے کہ یا عمارت کی ترمیم ہوگی یا عمارت خود نہ ہوگی۔ غزل کے حوالے سے جگہ جگہ وہ اس میں ترمیم اور تبدیلی کے مطالبے کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح قصیدے کے باب میں بھی تبدیلی اور خاتمے کے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ حالی کی پھیلائی ہوئی ان غلط فہمیوں نے ہی بعد کے نقادوں نے غزل کو "وحشی صنف" اور اس کے خاتمے کی تحریک چلانے کی صورتوں میں نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں:

"جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مغربی فکر و فلسفے کی یلغار نے مشرقی طرز احساس اور اس کی تہذیبی اقدار کو زوال آشنا کیا تو وہ شبلی ہی تھے، جنھوں نے ادب اور تہذیب کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ اُنھوں نے تنقیدی میدان میں اپنے ادب کو روایت اور کلچر کے تناظر میں دیکھنے کا قرینہ فراہم کیا۔ وہ تہذیبی روح کی شناخت اور پہچان کے لیے روایت کے محاذ پر بر سرپیکار رہے۔ اُنھوں نے معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں ادب کو مابعد الطبیعاتی عناصر کے ساتھ جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے ادب کی تعبیر اور تفہیم کے لیے ہند اسلامی تہذیب اور روایت کے اس تصور حقیقت سے استفادہ کیا، جو ان کے معاصرین کے ہاں پیروی مغرب کی وجہ سے کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا۔" (۲۰)

اس پس منظر میں شبلی کی تنقید کا سب سے اہم اور مفید اثر اس فضا کی تخلیق ہے، جو مشرقی ادب کی بقا کا باعث ہوئی اور مشرقی روایت ادب اور تنقید کی تہذیبی اور تخلیقی فضا قرار دی جا سکتی ہے۔ اسی فضا میں پھر آگے چل کر اُردو میں غزل اور نظم کی بہترین شاعری تخلیق ہوئی۔ فنی، فکری اور جمالیاتی نثر اور فکشن بھی وجود پذیر ہوا۔ ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں:

"شبلی کی تنقید اور اقبال کی تخلیق نے مل کر زندگی اور تہذیب کی جن صداقتوں کو آشکار کیا تھا، اُن کا ادراک آہستہ آہستہ عام ہونے لگا ہے اور چوں کہ مغربی افکار کے غلبے کا وہ طلسم ٹوٹ رہا ہے، جو ہمارے معاشرے پر بھی طاری ہو چکا تھا۔ لہٰذا زمانے کا رجحان اُن آفاقی تصورات کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، جو انسان کے مقدر کی تعمیر کر سکتے اور انسانیت کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشرق کی تعمیر و تخلیق اقدار کی بازیافت کا سہرا شبلی کے سر ہے۔" (۲۱)

شبلی نے بیسویں صدی کے آغاز میں، پیروی مغرب کے غلغلے میں، شعر العجم لکھ کر جس مشرقی روایت کی بنیاد اُردو تنقید میں رکھی۔ وہ مغرب کے شدید غلبے کے باوجود سلامت ہے۔ اب اس کی بازیافت کی آرزوئیں پھر سے مچل رہی ہیں کیوں کہ انسانیت آفاقی اور حقیقی قدروں کے بغیر اور اپنی تہذیب و ثقافت کے باوصف آزادی اور سکون حاصل نہیں کر سکتی۔

۵

علامہ شبلی نعمانی کی موازنہ انیس و دبیر اُردو میں تقابلی تنقید کی خشتِ اوّل ہے۔ یہ شبلی کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے۔ جس کی اوّلین اشاعت سے ہی اہلِ علم و دانش نے اس کے مباحث کو اہمیت دی اور حمایت و مخالفت میں مضامین لکھے۔ اس وقت تک اس کے مطالعے، تجزیے پر سینکڑوں مضامین اور متعدد کتب لکھی جا چکی ہیں، جس سے اس کی اہمیت اور اُردو تنقید میں حیثیت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

موازنہ کی بائیس سے زیادہ اشاعتیں، سات محقق ایڈیشن، دو خلاصے اور اس پر تین ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں شبلی اس کی تالیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ ہو سکے کہ اُردو شاعری باوجود کم مائیگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے، اس غرض کے لیے میر انیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ ان کے کلام میں شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔" (۲۲)

ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں:

"موازنہ انیس و دبیر علمی تنقید کی کتاب ہے۔ تنقید کا یہ انداز شبلی کی اختراع نہیں، ہمارے پرانے نظام نقد و انتقاد میں ادبی گروہ بندیوں کے ماتحت مختلف شاعروں کی

قدر و قیمت کا فیصلہ اور طریقوں کے علاوہ اس انداز سے بھی کیا جاتا تھا۔ شبلی نے بھی اس طریقہ پر عمل کیا ہے۔ اس خاص بات کے علاوہ شبلی کے محاکمے کے اصول بہت حد تک سائنٹفک ہیں۔ اُنھوں نے سب سے پہلے شاعری کو پرکھنے کے اصول وضع کیے ہیں، پھر دونوں شاعروں کی تقابلی اہمیت ان اصولوں کی روشنی میں ظاہر کی ہے۔" (۲۳)

موازنہ انیس اور دبیر میں شبلی نے دونوں شعرا کے موازنے سے قبل مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ بیان کی اور بتایا کہ عربی زبان میں جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیے سے ہوئی۔ مرثیوں میں ایک رقت اور زور ہوتا ہے، جو سر تاپا جوش بن کر سننے والوں کو تڑپا دیتا ہے۔ عہد جاہلیت سے ظہور اسلام اور خلفا کے عہد میں مرثیے کے اتار چڑھاؤ بیان کرنے کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں مرثیہ کی نوعیت بیان کرتے ہیں۔ اُنھوں نے فارسی شاعری میں فردوسی اور فرخی کی شاعری میں مرثیوں کا سراغ لگاتے ہوئے فارسی کے مقبول عام مرثیہ گو محتشم کاشی تک کی تاریخ شعری حوالوں سے بیان کی ہے۔

شبلی کے مطابق اُردو مرثیے کا آغاز میر و سودا سے قبل ہو چکا تھا، مگر اس کو ترقی میر ضمیر نے دی۔ میر خلیق بھی اس عہد کے ایک بڑے مرثیہ گو تھے۔ اُردو مرثیے کی اجمالی تاریخ بیان کرنے کے بعد فصاحت و بلاغت، روزمرہ، استعارہ و تشبیہ کی تعریف کرتے ہوئے اشعار کی مثالیں درج کرتے ہیں۔ تشبیہ کے حوالے سے شعری مثالوں کے ذریعے میر انیس کی انفرادیت واضح کرتے ہیں:

پنہاں زرہ میں ہوتی تھی اس طرح سے سناں
بجلی چمک کے ہوتی تھی جوں ابر میں نہاں
اس نیزہ سیاہ سے تھا سب کو بیم جاں
تھا اثر دہائے موسیِ عمراں کی وہ زباں

نیزہ کی تشبیہ کو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف اور صاف کر دیا ہے۔ چناں چہ کہتے ہیں: ع

گویا زباں نکالے ہوئے اژدہا چلی (۲۴)

شبلی نے اس کتاب میں جو شاعری کے اصول بیان کیے ہیں اور جن لوازم کو شاعری کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ ان کی وضاحت کے لیے اُنھوں نے انیس کا انتخاب کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میر انیس کے ہاں لسانی ادراک کا گہرا شعور ہے اور اس حوالے سے وہ کلاسیکی ادب کی عمدہ مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی نے انھی کلاسیکی بنیادوں پر اسلوب اور انداز بیان کو زیادہ اہمیت دی ہے اور اس کے لوازم کو زیرِ بحث لایا ہے۔ اس ضمن میں شبلی نے فصاحت اور بلاغت پر زور دیا ہے۔ انھی کی بنیاد پر شعرا کا موازنہ اور شعر کا معیار متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ فصاحت کو اُنھوں

نے لفظ کی خوب صورتی، دل آویزی، شستگی اور شیرینی کے حوالے اور بلاغت کو معنی کے ضمن میں لیا ہے۔ شبلی نے بلاغت کو فصاحت کا ہی حصہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں فصاحت روانی اور برجستگی ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "انیس و دبیر کے موازنے میں یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا ہے کہ میر صاحب میں فصاحت زیادہ ہے اور مرزا صاحب میں بلاغت، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اسی قدر، بل کہ اس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے۔ بلاغت کی جو تعریف تمام کتابوں میں مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہیں، اس کی رو سے بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اس لیے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے۔" (۲۵)

شبلی نے فصاحت، بلاغت، منظر کشی اور جذبات کی مصوری کی تشریح کرتے ہوئے انیس اور دبیر کے کلام کے موازنے سے ثابت کیا کہ انیس دبیر سے بڑھ کر تھے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

دبیر: فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

انیس: مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں ص ۲۲

دبیر: تھا بلبلِ حق کو کہ چہکتا تھا چمن میں

انیس: بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ میں ص۵۲۲

دبیر: آنکھوں میں پھرے اور نہ مژہ کو خبر ہو

انیس: آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو ص۳۰

دبیر: مثل تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب
ہوتی تھیں سیخ موج پہ مرغابیاں کباب ص۳۰

انیس: پانی تھا آگ گرمی روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی ص۴۹۲

ان مثالوں میں مرزا انیس کی فصاحت و بلاغت، لفظوں کی برجستگی دبیر سے بڑھ کر واضح ہے۔ شبلی لکھتے ہیں کہ کلام کی فصاحت میں لفظ کا فصیح ہونا ہی کافی نہیں، بل کہ الفاظ کی ساخت، ہیئت، نشست، سبک اور گرانی میں تناسب اور توازن بھی ضروری ہے، ورنہ فصاحت قائم نہیں رہ سکتی۔

موازنہ انیس و دبیر کا سب سے اہم حصہ "میر انیس کی شاعری کی خصوصیات" کے عنوان سے ہے۔ سب سے بڑا اور پوری تصنیف کے حاصل اس حصے میں شبلی اپنے قائم کردہ اصولوں اور شعری لوازمات کی روشنی میں کلام انیس کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں اور میر انیس کے کلام کے حوالوں سے اُن کی فوقیت ثابت کرتے ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:"موازنہ سے پہلے انیس کی شاعری کا اس طور اور اس انداز میں مطالعہ نہیں ہوا تھا۔ جدید اصول تنقید سے روایتی شاعری پر کسی شاعر کے کلام کو پرکھنا، اُردو تنقید میں یہ شبلی کی اوّلیت ہے۔" (۲۶)

موازنہ انیس و دبیر شبلی کی اُردو کا تقابلی تنقید میں پہلا اور اہم کارنامہ ہے، جس نے اُردو میں تنقید کی نئ جہت اور انداز کا آغاز کیا۔ شبلی کی موازنہ نے اُردو تنقید میں ایک انداز فکر اور طریق نقد کی باقاعدہ اور باضابطہ بنیاد ڈالی اور آج بھی اُردو مرثیہ نگاری کی تنقیدی تاریخ اور میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کی تفہیم میں یہ کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔

مولوی عبد الحق موازنہ انیس و دبیر پر تفصیلی تبصرہ کے اختتام پر لکھتے ہیں:

"مولانا حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کے بعد تنقید پر مولانا شبلی کی یہ کتاب ہے، جو ہماری مشرقی شاعری کے نقطہ نظر سے اس کے محاسن و عیوب کے سمجھنے میں بہت مدد دے گی۔ اس لیے اس کا مطالعہ خاص ہمارے جدید ادیبوں کے لیے ضرور بصیرت افروز ہو گا۔" (۲۷)

موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں ڈاکٹر عبد العزیز ساحر رقم طراز ہیں:

"موازنہ انیس و دبیر ہمارے تنقیدی سرمائے میں عملی تنقید کی ایک نہایت ہی خوب صورت مثال ہے۔ زمانے کے بدلتے تناظر میں اسالیب نقد کا منظر نامہ بھی تغیر آشنا ہے، لیکن ہند اسلامی تہذیب کے باطنی اور معنوی آہنگ سے متشکل ہونے والی یہ کتاب آج بھی تازہ اور شاداب ہے اور مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اُردو تنقید بے سمتی کی مسافتوں سے تھک کر، جب لمحے بھر کو رُکے گی تو صراط مستقیم کی منزلوں کی جانب اس کا سفر موازنہ انیس و دبیر کے کوچے سے ہو کر گزرے گا۔" (۲۸)

علامہ شبلی کی تنقید کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ وہ اُردو ادب کے اہم نقاد تھے، جنھوں نے اُردو تنقید میں مغربی اثر و نفوذ کے دور میں مشرقی روایت تنقید کی بنیاد رکھی اور اپنی تصانیف میں نظری اور عملی تنقید سے مشرقی اقدار، روایات، تہذیب اور ادب پر پڑنے والی گرد کو ہٹایا۔ اُنھوں نے اپنے تہذیبی اور فکری سرمائے کی حفاظت کی اور مغربی

فکر و فلسفے کے آگے بند باندھا۔ اُنھوں نے مغربی کی تہذیبی یلغار اور پیروی میں گم ہونے والے مشرقی سرمایہ ادب اور تنقید کی روایت کو نہ صرف استوار کیا، بل کہ اپنے فکر و فلسفے اور تنقیدی نظریات سے نیا رُخ دیا، جس نے اُردو تنقید کے رُخ کو متعین کیا اور اُسے مغربی اثرات میں گم نہیں ہونے دیا۔ شبلی کی عطا کردہ انھی بنیادوں پر اُردو تنقید نے اپنا سفر جاری رکھا اور آگے چل کر ایک مضبوط روایت مغربی روایت تنقید کے مقابل پروان چڑھائی۔ اردو تنقید کی روایت میں شبلی اسی مشرقی روایت تنقید کے بانی اور اہم ترین نقاد ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سر سید احمد خان: دیباچہ المامون۔ مشمولہ: صحیفہ (شبلی نمبر)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۵

۲۔ ضیاء الحسن: اُردو تنقید کا عمرانی دبستان۔ لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی س ن، ص ۱۳۹

۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ: سر سید احمد خان اور اُن کے نامور رفقا کی نثر۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۵ء، ۲۱۲

۴۔ ابوالکلام قاسمی: مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت۔ لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی ۲۰۰۰ء، ص ۱۵

۵۔ کلیم الدین احمد: اُردو تنقید پر ایک نظر۔ اسلام آباد: پورب اکیڈمی ۲۰۱۲ء، ص ۴۲

۶۔ ڈاکٹر شاداب عالم: تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد۔ لاہور: کتاب سرائے ۲۰۱۴ء، ص ۳۱

۷۔ کلیم الدین احمد: اُردو تنقید پر ایک نظر، ص ۷۲، ۹۰

۸۔ ڈاکٹر سید عبداللہ: اشاراتِ تنقید۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۳، ۲۱۲

۹۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخِ اُردو ادب (جلد چہارم)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۵ء، ص ۹۶۹

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالقیوم: حالی کی اُردو نثر نگاری۔ لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۶

۱۱۔ ڈاکٹر عبدالقیوم: حالی کی اُردو نثر نگاری، ص ۳۷۸

۱۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)، ص ۹۷۲

۱۳۔ ڈاکٹر عبدالمغنی: شبلی بحیثیت نقاد، مشمولہ: صحیفہ (شبلی نمبر)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۴، ص ۴۵۴

۱۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)، ص ۱۰۸۹

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۹۰

۱۶۔ ابوالکلام قاسمی: مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت، ص ۲۲۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۳۲

۱۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)، ص ۱۰۹۰

۱۹۔ ڈاکٹر عبدالمغنی: شبلی بحیثیت نقاد، مشمولہ: صحیفہ (شبلی نمبر)، ص ۴۵۶

۲۰۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، تقدیم: موازنہ انیس و دبیر۔ اسلام آباد: پورب اکیڈمی ۲۰۱۵ء

۲۱۔ ڈاکٹر عبدالمغنی: شبلی بحیثیت نقاد، مشمولہ: صحیفہ (شبلی نمبر)، ص ۴۵۹

۲۲۔ شبلی نعمانی، علامہ: موازنہ انیس و دبیر۔ اسلام آباد: پورب اکیڈمی ۲۰۱۵ء، ص ۲

۲۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ: سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی نثر۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۵ء، ص۱۴۸
۲۴۔ شبلی نعمانی: موازنہ انیس و دبیر، ص۲۰
۲۵۔ شبلی نعمانی: موازنہ انیس و دبیر، ص۴۴
۲۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)، ص۱۰۲۹
۲۷۔ عبدالحق: موازنہ انیس و دبیر، مشمولہ: شبلی شناسی کے اوّلین نقوش۔اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ۲۰۱۶ء، ص۴۴۵
۲۸۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، تقدیم: موازنہ انیس و دبیر، ص ن

References in Roman Script

1. Sir Syed Ahmed Khan: Debacha Almamoon. Mashmoola: Sahifa (Shibli Number). Lahore: Majlis Taraqi Adab, 2014, Page 155
2. Ziaul Hassan: Urdu Tanqeed ka Imran Dabastan, Lahore, Magrabi Pakistan Urdu Academy S N, Page 139
3. Dr. Syed Abdullah, Sir Syed Ahmed Khan or un k namwar rufaqa ki nasar, Lahore Sang meel Publications, 2015, 212
4. Abulkalam Qasmi, Mashraqi Sheriat or Urdu Tanqeed ki Riwaat, Lahore, Magrabi Pakistan Academy 2000, Page 15
5. Kalm udin Ahmed, Urdu Tanqeed par ek Nazar, Islamabad, Poorab Academy, 2012, Page 42
6. Dr. Shadab Alim, Tanqedi Mubahis or Shibli ka Nizam Naqd, Lahore, Kitab Saraey 2014, Page 31
7. Kaleem ud Din Ahmed, Urdu Tanqeed par ek Nazar, Page 72, 90
8. Dr. Syed Abdullah: Isharat e Tanqeed, Islamabad, Muqtadara Qomi Zuban, 1993, Page 163, 212
9. Dr. Jamil Jalbi, Tareek Urdu Adab (Jild charahm), Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2015, Page 969
10. Dr. Abdul Qayyum, Hali ki Urdu Nasar Nigari, Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2012, Page 236
11. Dr. Abdul Qayyum, Hali ki Urdu Nasar Nigari, Page 327

12. Dr. Jamil Jalbi, Tareek Adab Urdu (Jild Charam) Page 972
13. Dr. Abdul Mugni, Shibli Bahesiat Naqad, MAshmoola: Sahefia (Shibli Number) Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2014, Page 454
14. Dr. Jamil Jalbi, Tareekh Adab Urdu (Jild Charahm), Page 1089
15. Ibid, Page, 1090
16. Abul Kalam Qasmi: Mashraqi Sheriat or Urd Tanqeed ki Riwayat, Page 228
17. Ibid, Page,232
18. Dr. Jamil Jalbi, Tareekh Adab Urdu (Jild Chahram), Page 1090
19. Dr. Abdul Mugni: Shibli Bahesiat Naqad, Mashmoola: Sahefa (Shibli Number) , Page 456
20. Dr. Abdul Aziz Sahir, Taqdeem, Mawazna Anees w Dabir, Islamabad, Poorab Academy, 2015
21. Dr. Abdul Mugni, Shibli Bahesiat NAqad, MAshmoola : Sahefa (Shibli Number) Page 459
22. Shibli Nomani, Allama : Mawazna Anees wa Dabir, Islamabad: Poorab Aademy, 2015, Page 2
23. Dr. Syed Abdullah: Sir Syed Ahmed Khan or un k namwar rfqa ki nasar, Lahore sang meel Publications, 2015, Page 148
24. Shibli Nomani, Mawazna Anees w Dabir, Page 20
25. Shibli Nomani, Mawazna Anees w Dabir, Page 44
26. Dr. Jamil Jalbi: Tareekh Adab Urdu (Jild Chaharm), Page 1029
27. Abdul Haq: Mawazna Anees w Dabir, Mashmoola Shanasi k awalen naqoosh, Azam Garh: Dar ul Musanfeen, Shibli Academy 2016, Page 445
28. Dr. Abdul Aziz Sahir, Taqdeem: Mawazna Anees wa Dabir, Page N